وہ قحط سالی جو آفات ارضی و سماوی کے نتیجے میں رُونما ہوتی ہے۔ احتکار کو صرف اسی قحط سالی تک محدود و موقوف تو غالباً کسی نے نہ رکھا ہوگا۔

باقی رہ گیا یہ سوال کہ حدیث میں چالیس دن کی قید کیوں ہے؟ اس بارے میں کوئی تشریح و توضیح میری نظر سے نہیں گزری، لیکن میرے ناقص فہم کے مطابق یہاں چالیس کا لفظ مثال و محاورہ کے طور پر استعمال فرمایا گیا ہے۔ اس سے مراد گنتی کے چند ایام ہیں، جس طرح قرآن مجید میں ایاماً معدودہ، ورایام معدودہ، ایاماً معدودات کے الفاظ وارد ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے کہ جس نے چند روز کے لیے بھی کسی حاجت مند خریدار سے غذائی اجناس کو روکا اور نہ بیچا وہ وعیداتِ مذکورہ کا مستحق ہوگیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

انسان کے زندہ رہنے اور جسم و جان کا رابطہ قائم رکھنے کے لیے جس طرح غذا ضروری ہے، اسی طرح بعض ادویہ کا استعمال بھی جان بچانے اور صحت حاصل کرنے کے لیے ناگزیر ہے، لہٰذا اشیائے خوردنی کے علاوہ میرے نزدیک ایسی ضروری دواؤں کا روک رکھنا اور چھپانا بھی احتکار کی تعریف میں آتا ہے۔ امام ابویوسفؒ کا قول ردّ المحتار سے اُوپر نقل ہوچکا۔ لابدی ضروریاتِ زندگی کے ماسوا دیگر اشیاء (لباس، کپاس، معدنیات وغیرہ) کی ذخیرہ اندوزی، گراں فروشی اگرچہ غیر مطلوب و مکروہ ہے، مگر اس پر احتکار کا اطلاق میرے علم و فہم کی حد تک نہ ہوگا۔ اسی طرح غلّہ اگر بازار میں بآسانی دستیاب ہے تو ہر دکان دار یا مالک پر یہ لازم نہیں کہ وہ ضرور مارکیٹ میں اپنا پورا اسٹاک لے آئے، ہاں ذاتی ضرورت یا گھریلو حاجت کے لیے جو گاہک آئے، اُسے انکار نہ کیا جائے۔ قرآن مجید ان لوگوں کی بھی مذمت کرتا ہے جو یَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ کے زمرے میں داخل ہیں اور عام اشیائے استعمال کو روک رکھتے ہیں۔ (غلام علی)